

متفرق سوالات

[المورد میں خطوط اور ای میل کے ذریعے سے دینی موضوعات پر سوالات موصول ہوتے ہیں۔ المورد کے شعبہ علم و تحقیق اور شعبہ تعلیم و تربیت کے رفقاء ان سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ یہاں ان میں سے منتخب سوال و جواب کو افادہ عام کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔]

وقوع طلاق کے بارے میں اختلاف

سوال: میں نے اپنی بیوی کو غصے میں دی ہوئی تین طلاقوں کے بارے میں علما سے فتویٰ طلب کیا تھا۔ انھوں نے مجھے یہ فتویٰ دیا کہ آپ اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں دے چکے ہیں۔ لہذا اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ حلالہ شرعی کو اختیار کیا جائے۔

ازراہ مہربانی اس فتوے کے بارے میں اپنی رائے دیں؟ (سید ذوالفقار حسین گیلانی)

جواب: آپ نے اپنے طلاق کے معاملے میں جو فتویٰ حاصل کیا ہے، وہ احناف کے نقطہ نظر کے مطابق ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق آپ کی بیان کردہ صورت میں تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور آپ کی بیوی ہمیشہ کے لیے آپ پر حرام ہو چکی ہے حتیٰ کہ حلالہ شرعی کے بعد وہ آپ سے دوبارہ نکاح کر لے۔

علمائے احناف طلاق کے صریح الفاظ بولے جانے کی صورت میں آدمی کی نیت کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔ بہر حال، یہ ان کا نقطہ نظر ہے۔

استاذ محترم غامدی صاحب غصے سے مغلوب ہو کر دی گئی طلاق کو طلاق شمار نہیں کرتے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا طَلَّاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي غِلَاقٍ. (ابوداؤد، رقم ۲۱۹۳)

”غصے سے مغلوب ہو کر دی ہوئی طلاق موثر ہوتی ہے اور نہ غلام کی آزادی کا فیصلہ۔“

نیز ان کے خیال میں طلاق کا لفظ بولتے وقت آدمی کی نیت طلاق کی تھی یا نہیں یا یہ کہ وہ طلاق کے بارے میں کیا معلومات رکھتا ہے، یہ سب باتیں ان کے نزدیک طلاق کے کسی مقدمے میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ بہر حال، علما کے درمیان آرا کا یہ اختلاف موجود ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ بے معنی چیز ہے۔ امید ہے یہ آپ کا مقصود بھی نہیں ہوگا۔

موجودہ صورت حال میں یہ فیصلہ آپ ہی کے ذمے ہے کہ آپ کو کس فقیہ کی رائے کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اگر آپ غامدی صاحب کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر یہ دیکھ لیجیے کہ طلاق دینے والا، طلاق دیتے وقت کیا واقعہ غصے سے مغلوب تھا، اگر آپ اطمینان سے یہ بات کہہ سکتے ہیں تو پھر آپ اس کے مطابق عمل کریں، ورنہ نہیں۔

غصے میں دی گئی طلاق ثلاثہ

سوال: میں نے اپنی بیوی کو شدید غصے کی حالت میں تین طلاقیں دے دی ہیں۔ اب میں بہت پریشان ہوں کہ میں کیا کروں؟ ازراہ مہربانی آپ اس کے بارے میں اپنی رائے دیں؟ (محمد عمیر فیاض)

جواب: استاذ محترم جاوید احمد صاحب غامدی کے نزدیک غصہ سے مغلوب ہو کر دی گئی طلاق واقع ہی نہیں ہوتی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا طَلَّاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي غِلَاقٍ. (ابوداؤد، رقم ۲۱۹۳)

”غصے سے مغلوب ہو کر دی ہوئی طلاق موثر ہوتی ہے اور نہ غلام کی آزادی کا فیصلہ۔“

”فاقتلوا انفسکم“ کا صحیح مفہوم

سوال: سورہ بقرہ (۵۴:۲) میں بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ فَاَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ (اپنے نفسوں کو قتل کرو) اس حکم کا کیا مطلب ہے؟

۱۔ کیا اس سے خودکشی مراد ہے؟

۲۔ ایک دوسرے کو قتل کرنا مراد ہے؟

۳۔ نفس امارہ کو قتل کرنا، یعنی مجاہدہ نفس کرنا مراد ہے؟

حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس حکم کے بعد اسی سورہ کی دوسری آیت میں بنی اسرائیل پر یہ تنقید کی جا رہی ہے کہ اَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیقًا مِّنْکُمْ ”پھر یہ تمھی لوگ ہو جو اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکالتے ہو“ (۸۵:۲)، اس تضاد کی کیا وضاحت ہے؟ (قاری محمد اسحاق)

جواب: ”فَاَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ“ کی آیت ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے گوسالہ پرستی کے جرم سے متعلق ہے۔ چنانچہ پہلی بات یہ ہے کہ پچھڑے کی پرستش بنی اسرائیل کے سارے لوگوں نے نہیں کی تھی، بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے یہ مشرکانہ اقدام کیا تھا، جیسا کہ درج ذیل دو آیات سے پتا چلتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُھُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّھُمْ۔ (الاعراف: ۷: ۱۵۲)

”بے شک جن لوگوں نے پچھڑے کو معبود بنایا ہے، انھیں عنقریب ان کے رب کی طرف سے غضب لاحق ہوگا۔“

اَتَھْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفْھَاءُ مِنَّا۔ (الاعراف: ۷: ۱۵۵)

”(موسیٰ نے کہا) کیا تو ہمیں ایسے جرم کی پاداش میں ہلاک کر دے گا جس کا ارتکاب ہمارے اندر کے بے وقوفوں

نے کیا ہے۔“

دوسری بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے متعلق زیر بحث آیت کا پورا مضمون درج ذیل ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِہِ یَقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوْا اِلَیَّ بِاَرْبَکُمْ فَاَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ اِنَّہٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ (البقرہ: ۵۴)

”اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم کے لوگو، تم نے پچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو اور خود اپنے (مجرموں) کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرو، یہ تمہارے لیے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے پھر وہ تمہاری طرف متوجہ ہوا۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

اگر قرآن مجید کی اس بات کو ہم ملحوظ رکھیں کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے پچھڑے کی پرستش کا جرم کیا تھا تو پھر اس درج بالا آیت کا مطلب ہی یہ بنتا ہے کہ اے بنی اسرائیل، تم خود اپنے مجرموں کو قتل کرو۔ اور پھر مزید یہ بات بھی ہے کہ اگر ہم ’فَاَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ‘ میں ’اَنْفُسَكُمْ‘ سے ”اپنے مجرموں کو“ کے بجائے ”تم سب اپنے آپ کو“ مراد لیں تو پھر اس سزا میں نیک و بد اور صالح و مجرم، دونوں شامل ہو جاتے ہیں جو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

قرآن میں اہل کتاب کی تحسین کی وجہ

سوال: سورہ آل عمران میں اہل کتاب کے بعض افراد کے بارے میں تحسین اور تعریف کے کچھ کلمات ہیں اور ان کے ایمان دار ہونے کا ذکر موجود ہے، مثلاً ’يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ‘، ’يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ‘ اور ’اُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ‘۔ کیا قرآن مجید کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہ لانے کے باوجود صالح اور مومن ہی قرار دیے جا رہے ہیں؟ کیا ان کا یہ مومن اور صالح ہونا صرف عند اللہ ہے، یعنی آخرت کے حوالے سے ہے یا پھر دنیوی قانون کے لحاظ سے بھی وہ مومن اور صالح ہی متصور ہوں گے؟

اگر وہ دنیوی پہلو سے بھی مومن ہی ہوں گے تو پھر کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اس کے اخلاقی حدود و قیود کو مانتا ہے اور اللہ کے پیغمبروں میں سے کسی ایک کو بھی مانتا ہے تو وہ شخص مومن ہوگا، جیسا کہ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی درج ذیل آیات سے یہ بات ثابت بھی ہوتی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصْرٰى وَالصَّبِيْئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ. (۶۲:۲)

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ. (۶۴:۳) (قاری محمد اسحاق)

جواب: اہل کتاب کے بارے میں تحسین اور تعریف کے جن کلمات کا آپ نے ذکر کیا ہے، انہیں ان کے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھیے تو وہ اشکال رفع ہو جاتا ہے جو آپ نے بیان کیا ہے۔ یہ آیات درج ذیل ہیں:

وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ ذَلِكَ بَانَهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ.

لَيْسُوا سَوَاءً، مَنْ أَهْلُ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ، يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ، وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ، وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ. (آل عمران ۱۱۲-۱۱۵)

”اور ان (یہود) پر پست ہمتی تھوپ دی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی آیتوں کا انکار اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں، کیونکہ یہ نافرمان اور حد سے آگے بڑھنے والے رہے ہیں۔

سب اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ عہد پر قائم ہے۔ یہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے اور سجدہ کرتے ہیں، اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، معروف کا حکم دیتے، منکر سے روکتے اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔ جو نیکی بھی یہ کریں گے تو اس سے محروم نہیں کیے جائیں گے اور اللہ خدا ترسوں سے باخبر ہے۔“

ان آیات میں جن صالح اہل کتاب کا ذکر ہے، ظاہر ہے وہ لوگ انھی آیات میں بیان کردہ غیر صالح اہل کتاب کے بالکل برعکس ہیں، یعنی نہ یہ لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے تھے اور نہ یہ اس کے نبیوں کی تکذیب کرنے والے تھے۔ چنانچہ مفسرین نے یہ بات واضح کی ہے کہ ان صالح اہل کتاب میں سے بعض نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر علانیہ ایمان لا چکے تھے اور بعض دل سے ایمان لا چکے تھے، لیکن ابھی انہوں نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔

اور ایسا کیوں نہ ہوتا، کیونکہ ان کی اپنی کتابوں کے مطابق یہ لازم تھا کہ وہ اس نبی امی پر ایمان لائیں جسے وہ اپنی کتاب میں لکھا ہوا پاتے تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاكُنْهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ

بَايْتَنَا يُؤْمِنُونَ، الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ. (الاعراف ۷: ۱۵۶-۱۵۷)

”اور میری رحمت ہر چیز کو عام ہے، سو میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ رکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے اور زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو ہماری آیات پر ایمان لائیں گے۔ جو پیروی کریں گے، اس نبی امی رسول کی جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔“

چنانچہ قرآن مجید نے جن اہل کتاب کی تعریف کی ہے اور جو واقعی صالحین تھے، وہ اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

اور پھر وہ ایمان کیوں نہ لاتے، جبکہ سورہ مائدہ میں انھیں یہ بتا دیا گیا تھا کہ اس نبی پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُتْفِمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. (۶۸:۵)

”کہہ دو اے اہل کتاب، تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے جب تک تم تورات، انجیل اور اس چیز کو قائم نہ کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے، لیکن وہ چیز جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے، وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور ان کے کفر میں اضافہ کرے گی تو تم اس کا فرقوم پر غم نہ کرو۔“

اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اہل کتاب کے لیے اپنی کتابوں کو ماننا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کی لائی ہوئی کتاب پر ایمان لانا ضروری تھا۔

چنانچہ یہ خیال تو باطل محض ہے کہ اہل کتاب کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں تھا۔ رہا سورہ بقرہ (۲) کی آیت ۶۲ کا معاملہ تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ یہود و نصاریٰ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں تھا یا آج نہیں ہے، کیونکہ یہ مفہوم تو بنی اسرائیل کے بارے میں قرآن کی اس ساری دعوت کے خلاف ہو گا جس سے متعلق بعض آیات کا ابھی ہم نے مطالعہ کیا ہے۔

سورہ بقرہ کی اس آیت کا صحیح مفہوم جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اس کے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھا جائے۔

استاذ محترم غامدی صاحب نے ان آیات کا ترجمہ و تفسیر، اپنی تفسیر ”البیان“ میں درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءَ وَ غَضِبَ مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ. إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّبِئِينَ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. (البقرہ ۶۱:۲-۶۲)

”(وہ یہی کرتے رہے) اور اُن پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کا غضب کمال لائے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے تھے اور اُس کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ اللہ کی ٹھیرائی ہوئی کسی حد پر نہ رہتے تھے۔

(اس سے واضح ہے کہ جزا و سزا کا قانون بالکل بے لاگ ہے۔ لہذا) وہ لوگ جو (نبی امی پر) ایمان لائے ہیں اور جو (ان سے پہلے) یہودی ہوئے اور جو نصاریٰ اور صابی کہلاتے ہیں، اُن میں سے جن لوگوں نے بھی اللہ کو مانا ہے اور قیامت کے دن کو مانا ہے اور نیک عمل کیے ہیں، ان کا صلہ (ان کے) پروردگار کے پاس ہے اور (اُس کے حضور میں) اُن کے لیے کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ وہ کوئی غم (وہاں) کھائیں گے۔“

آیات کی شرح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: ”یعنی یہ ذلت اور مسکنت اس لیے ان پر ٹھوپي گئی کہ انہوں نے پے در پے جرائم کا ارتکاب کیا اور اپنی سرکشی اور تعدی کے باعث ہر حد توڑ دی، یہاں تک کہ اللہ کے نبیوں تک کو قتل کر ڈالا۔... قرآن نے واضح کر دیا کہ ان کے انبیاء کی اولاد ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان جرائم کے بعد انھیں چھوڑ نہیں دیا، بلکہ ان کی پاداش میں انھیں پکڑا اور اسی دنیا میں ان کے جرائم کی سزا انھیں دی۔“

... اس (سلسلہ آیات) میں قرآن نے نہایت غیر مبہم طریقے پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی شخص کو فلاح محض اس بنیاد پر حاصل نہ ہوگی کہ وہ یہود و نصاریٰ میں سے ہے یا مسلمانوں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے یا صابی ہے، بلکہ اس بنیاد پر حاصل ہوگی کہ وہ اللہ کو اور قیامت کے دن کو فی الواقع مانتا رہا ہے اور اس نے نیک عمل کیے ہیں۔ ہر مذہب کے لوگوں کو اسی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ ہوگا۔ یہود کا یہ زعم محض زعم باطل ہے کہ وہ یہودی ہونے ہی کو نجات کی سند سمجھ رہے ہیں۔ یہ بات ہوتی تو اللہ دنیا میں بھی ان کے جرائم پر ان کا مواخذہ نہ کرتا، لہذا وہ ہوں یا مسلمان یا کسی اور مذہب و ملت کے پیرو، ان میں سے کوئی بھی محض پیغمبروں کو ماننے والے کسی خاص گروہ میں شامل ہو جانے سے جنت کا مستحق نہیں ہو جاتا، بلکہ اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان اور عمل صالح ہی اس کے لیے نجات کا باعث بنتا ہے۔

... (ان آیات میں نجات کی) یہ بشارت، ظاہر ہے کہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ آدمی نے کسی ایسے جرم کا ارتکاب نہ کیا ہو جو ایمان اور عمل صالح کے باوجود اسے جہنم کا مستحق بنا دیتا ہے، مثلاً: کسی بے گناہ کو قتل کر دینا یا جانتے بوجھتے اللہ کے کسی سچے پیغمبر کو جھٹلادینا۔“

چنانچہ سورہ بقرہ (۲) کی آیت ۶۲ میں کسی بھی شخص کے لیے نبوت کو جانتے بوجھتے نہ ماننے کی کوئی اجازت نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نجات کے لیے کسی پیغمبر کا پیروکار کہلانا ہی کافی نہیں، اس کے ساتھ اللہ اور آخرت پر حقیقی ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا بھی ضروری ہے۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ کسی نہ کسی پیغمبر کو مان لو، خواہ باقی پیغمبروں کی جان بوجھ کر تکذیب کر دو یا ان سے بے اعتنائی برت لو اور ان کی دعوت قبول نہ کرو، تمہاری بخشش بہر حال، ہو جائے گی۔ اسی طرح سورہ آل عمران کی درج ذیل آیت سے بھی یہ مراد نہیں کہ اہل کتاب صرف توحید میں مسلمانوں سے اشتراک کر لیں تو وہ کافی ہوگا، بلکہ اس آیت میں تو اس مشترک بنیاد کی طرف دعوت دی گئی ہے جس پر اگر وہ کھڑے ہو جاتے ہیں تو اب آگے ان کو نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنَكُمْ اِلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نَشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَوْلِيَآءًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوْا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. (۶۴:۳)

”کہہ دو اے اہل کتاب، اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے۔ اگر وہ اس چیز سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں۔“

مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ اس آیت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”... توحید کے متعلق قرآن مجید کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان یکساں مشترک و مسلم ہے۔ قرآن نے اسی مشترک کلمہ کو بنیاد قرار دے کر ان سے بحث کا آغاز کیا ہے کہ جب توحید ہمارے اور تمہارے درمیان ایک مشترک حقیقت ہے تو موازنہ کرو کہ اس قدر مشترک کے معیار پر قرآن اور اسلام پورے اترتے ہیں یا یہودیت اور نصرانیت؟

بحث کا یہ طریقہ قرآن کے اس قراردادہ طریقے کے بالکل مطابق ہے جس کی اس نے آیت اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ

سے دعوت دو) میں تلقین فرمائی ہے۔“ (تدبر قرآن ۱۱۲/۲)

نماز میں طہارت کا قائم نہ رہنا

سوال: بواسیر کی بیماری کی وجہ سے کپڑے خراب ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ نماز پڑھنے کے بارے میں بتائیے کہ وہ کیسے پڑھی جائے؟ (محمد عامر شہزاد)

جواب: ہر نماز کے موقع پر استنجا کریں، کپڑے کے ناپاک حصے دھولیں، وضو کریں اور نماز پڑھیں۔ دوران نماز بیماری کی وجہ سے اگر کچھ خرابی ہو تو اس کی پروا نہ کریں اور نماز مکمل کریں۔

اسلام میں موسیقی

سوال: کیا اسلام میں موسیقی حرام ہے؟ (عبدالرحمن میمن)

جواب: اسلام میں موسیقی حرام نہیں ہے، البتہ اگر موسیقی کے ساتھ کچھ حرام چیزیں (شراب و کباب اور فحش رقص و سرود وغیرہ) شامل ہو جائیں تو پھر وہ حرام ہوگی۔ اسی طرح اگر موسیقی کی دھن ہی ایسی ہے کہ وہ انسان کے اندر سفلی جذبات پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے تو ایسی موسیقی بھی اپنی دھن کی شاعت کے درجے کے مطابق مکروہ یا حرام ہوگی۔

اگر معاملہ یہ ہے کہ نہ موسیقی کی دھن وغیرہ میں کوئی خرابی ہے اور نہ اس کے ساتھ کسی حرام چیز ہی کی آمیزش ہے تو پھر اس صورت میں موسیقی جائز ہوگی، لیکن اس جائز موسیقی کا بھی ایک مسئلہ ہے اور وہ یہ کہ اس میں زیادہ اشتغال انسان کے تزکیے کے عمل کو خراب کرتا اور اسے خدا سے غافل کرتا ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ موسیقی میں اشتغال کو اشتغال بالادنیٰ (کم تر درجے کی چیز میں مشغول ہونا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ موسیقی جائز تو ہے، لیکن اس درج بالا ساری بات کے مطابق ہی موسیقی کے جواز کا مفہوم طے کرنا چاہیے۔

سود کی رقم غربا میں تقسیم کرنا

سوال: اگر ہم بنک میں رقم جمع کرائیں اور اس پر ملنے والے سود کو غربا میں تقسیم کر دیں تو کیا یہ صحیح اور جائز

ہوگا؟ (صبیحہ خان)

جواب: بنک میں جمع شدہ رقم پر ملنے والے سارے سود کو بغیر ثواب کی نیت سے، اگر آپ غربا میں تقسیم کر دیں تو یہ

درست اور جائز ہے۔

حج میں محرم کی شرط

سوال: کیا میں اپنے تیرہ سالہ بیٹے کے ساتھ حج پر جاسکتی ہوں، یعنی اس کے ساتھ ہونے سے کیا میرے

لیے محرم کی شرط پوری ہو جاتی ہے؟ (صبیحہ خان)

جواب: استاذ محترم غامدی صاحب کے نزدیک اس زمانے میں چونکہ عورت کے لیے سفر محفوظ ہو گیا ہے۔ لہذا

غیر محفوظ سفروں کے زمانے میں محرم کے ساتھ ہونے کی جو ہدایت دی گئی تھی، ان حالات میں اب اس کا اطلاق نہیں

ہوتا۔

محرم کی شرط کے ضمن میں ائمہ اربعہ میں بھی اختلاف موجود تھا۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اگر عورت کو

محفوظ رفاقت میسر آ جائے تو وہ حج کے لیے جاسکتی ہے، اس کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری نہیں ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ

محرم کے وجود کو لازم قرار دیتے ہیں۔